تناسخ پر مختصر بحث

عالیجناب سید مصطفی حسن رضوی صاحب ایڈوکیٹ

اسلامی عقیدہ کے مطابق یہ دنیا حادث اور فانی ہے، اس کی ابتدا بھی ہے اور انتہا بھی ۔ اسے بقا نہیں بلکہ ایک دن وہ بھی فنا ہوگی یہ دارالامتحان اور مزرعہ آخرت ہے یہاں کے اچھے اور برے اعمال کی جزا وسزا حیات بعدالممات میں ملے گی۔

لیکن آریہ مذہب دنیا کو ازلی وابدی مانتا ہے۔ اس کے خیال میں نہ اس کی ابتدا ہے اور نہ انتہا۔ وہ ہمیشہ ہے اور ہمیشہ رہے گی ان کے عقیدے کی بناء پر خدا کی طرح روح اور مادہ بھی ازلی اور ابدی ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی حادث نہیں بلکہ ہر ایک قدیم اور غیر مخلوق ہے۔ ان کے خدا کی حیثیت ایک کمہار کی سی ہے جو روح و مادہ کی مدد سے طرح طرح کے چھوٹے بڑے برتن بنا دیتا ہے چونکہ روح و مادہ دونوں کو خدا نے موجود پایا اس لئے ان کے باہمی امتزاج و آمیزش سے مختلف چلتی پھرتی تصویریں اور دوسری جامد وساکت چیزیں بنا دیں۔ بس خدا کا اتنا ہی کام ہے کہ روح و مادہ کی مقدار مختلف تناسب سے لے اور ان کو یکجا کردے جس سے لازمی طور پر خود بخود ایک شکل بن جائے گی جس طرح ایک عطار یا کمپونڈر مختلف ادویہ کو مختلف مقدار میں ایک جگہ کر کے ایک نیا مرکب بنالیتا ہے۔ بس اسی طرح خدا نے روح و مادہ کو خاص خاص تناسب سے لے کر یکجا کر دیا ہے، جس سے نتیجتاً دنیا کی چیزیں معرض وجود میں آگئی ہیں۔ ان کے عقیدہ کے روسے خدا روح و مادہ کا خالق نہیں ہے اور اگر یہ دونوں چیزیں واجب الوجود، قائم بالذات اور قدیم نہ ہوتیں تو خدا میں یہ قدرت نہ تھی کہ وہ روح یا مادہ میں سے کسی کو خلق کرسکتا۔

خدا روح اور مادہ کے متعلق ان کے اسی عقیدہ کا فطری، لازمی اور قہری نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں جزا اور سزا کے بارے میں بھی ایک نا قابل فہم اور بعید از عقل نظریہ وضع کرنا پڑا جسے تناسخ یا آواگون کہا جاتا ہے اور جس کا یہ مطلب ہے کہ انسان اپنی زندگی میں جو اچھے یا برے اعمال کرتا ہے انہیں کی جہت سے مرنے کے بعد اس کی روح کو خدا کسی ایسے قالب میں بھیج دیتا ہے جہاں وہ اپنے گذشتہ اعمال وافعال کے مطابق راحت یا تکلیف اٹھاتا ہے۔ آریہ دھرم حیوانات کے علاوہ نباتات بلکہ جمادات میں بھی روح کا قائل ہے اور شجر وحجر کسی کو بھی روح سے خالی نہیں سمجھتا جانداروں اور شجر وحجر کی مختلف صنفوں اور ہر صنف کے افراد کی حالتوں کا باہمی تفرقہ اس لئے ہے کہ ان میں مقید روحوں نے اپنی گذشتہ زندگیوں میں جو اعمال کئے تھے وہ بھی ایک دوسرے سے مختلف تھے مثلاً سادھو کے قاتل کو مرنے کے بعد گائے کے قالب میں منتقل کر دیا گیا۔ غلہ کے چور کو چوہے کی شکل دے دی گئی۔ پانی چرانے والے کو مینڈک بنا دیا گیا، بے جرم و خطا قتل کرنے والے کو پتھر بنا دیا گیا۔ دروغ گو کو کسی درخت کی شکل میں تبدیل کر دیا گیا۔ غیبت کرنے والے کو کسی دوسری دھات کا لباس پہنا دیا گیا، کسی کو اچھے کرموں کی بناء پر راجہ بنا دیا کسی کو فقیر کر دیا، کسی کو جزاء کے طور پر تندرستی عطا کی اور کسی کو سزا کے طور پر بیماری و تکلیف میں مبتلا کر دیا۔ غرضکہ مختلف قالبوں میں ارواح کے انتقال کا یہ سلسلہ ایک لامتناہی سلسلہ ہے جو اسی طرح چل رہا ہے اور اسی طرح چلتا رہے گا۔

ظاہر ہے کہ اگر خشت اول کج رکھ دی گئی ہے تو پھر ثریا تک عمارت بناتے چلے جائیے ہمیشہ کج ہی رہے گی، آریوں کی بنیادی

وابتدائی غلطی یہی ہے کہ انہوں نے دنیا کو غیر فانی مانا اور خدا کے ساتھ روح و مادہ کو بھی قدیم اور واجب الوجود سمجھنے لگے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ وہ معاد کا نظریہ قائم کرنے میں بھٹک گئے اور تناسخ کے غیر عقلی اور بعید الفہم عقیدہ کو صحیح تسلیم کرنے لگے۔

چونکہ مذکورہ بالا دونوں عقیدے ایک دوسرے سے دست وگریبان ہیں اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ سب سے اول آریوں کے پہلے عقیدہ پر اور اس کے بعد دوسرے عقیدے پر سرسری روشنی ڈالیں۔

آریوں کا دعویٰ تو یہ ہے کہ وہ موحد ہیں اور صرف ایک ہی خدا کے ماننے اور پرستش کرنے والے ہیں لیکن اس عقیدے کی موجودگی میں کہ خدا روح و مادہ کا خالق نہیں ہے بلکہ وہ دونوں قدیم اور غیر مخلوق ہیں ان کی توحید توحید نہیں رہتی بلکہ خدا، روح اور مادہ وہ تینوں ایک نوعیت ودرجہ اختیار کر لیتے ہیں۔

یہ عقیدہ عقلی معیار پر بالکل غلط ثابت ہوتا ہے اور اس پر جو اعتراضات وارد ہوتے ہیں ان کی موجودگی میں انہیں کسی طرح صحیح نہیں کہا جا سکتا۔ جب خدا بھی غیر مخلوق اور قدیم، روح بھی غیر مخلوق اور قدیم اور مادہ بھی غیر مخلوق اور قدیم تو پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ ان میں سے کسے خدا اور کسے روح اور کسے مادہ سمجھا جائے اور اگر روح کو خدا۔ خدا کو مادہ اور مادہ کو روح سمجھ لیا جائے تو آریہ مذہب کے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں جس کی بناء پر وہ اسے غلط ثابت کر سکے۔ جب تینوں قدیم قائم بالذات، واجب الوجود اور غیر مخلوق ٹھہرے تو پھر ان میں فرق ہی کون سا ہے جس کی بناء پر خدا کو خدا روح کو روح اور مادہ کو مادہ سمجھا جا سکے اور آریہ حضرات کے نزدیک وہ کون سے تفرقے ہیں جو ان تینوں کو ایک دوسرے سے ممیز وممتاز بنا دیتے ہیں اور جن کی بناء پر ہر ایک الگ الگ پہچانا جا سکتا ہے۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ جو اوصاف خدا ہیں وہ مادہ وروح میں نہیں، جو مادہ میں ہیں وہ خدا اور روح میں نہیں ہیں اور جو روح میں ہیں وہ خدا و مادہ میں نہیں ہیں تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ان تینوں میں سے کوئی بھی اپنے مقام پر کامل نہیں بلکہ ہر ایک ناقص ہے۔ ظاہر ہے کہ ناقص واجب الوجود نہیں ہو سکتا یہ بھی تو دیکھئے کہ ان میں سے کسی ایک کی ذات بھی بسیط نہ رہی بلکہ ہر ایک کو علاوہ مشترک جزو کے ایک مخصوص جزو کی احتیاج پیدا ہو گئی اور وہ چیز جو اپنے وجود میں دوسرے کی محتاج ہو فانی اور عارضی ہوتی ہے، یعنی وہ کسی وقت نیست تھی اور بعد میں ہست ہوئی، پہلے عدم تھی اور بعد میں موجود بنی۔ آریوں کے اس عقیدہ کی بناء پر تو نہ صرف روح و مادہ قدیم وغیر مخلوق ٹھہرتے ہیں بلکہ خدا بھی حادث، فانی اور مخلوق قرار پاتا ہے۔

اس غلط عقیدہ کے بعد اس کے نتیجے میں جتنے بھی عقائد و نظریات قائم کئے جائیں گے وہ سب غلط ہی ہوں گے یہی وجہ ہے کہ انہوں نے معاد کے بارے میں جو عقیدہ قائم کیا وہ بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ ان کا عقیدۂ توحید۔

عقیدہ تناسخ کے معرض وجود میں آنے کا ایک سبب اور بھی ہوا ہے اور وہ یہ کہ آریہ مذہب کی عقل وفہم دنیا کے رنج وراحت کے حقیقی اسباب وعلل تک نہ پہنچ سکی اور وہ ان تفرقوں کے وجوہ سمجھنے سے قاصر رہے جو دنیا میں نظر آتے ہیں۔ جب انہوں نے دیکھا کہ کوئی مفلس ہے، اور کوئی خوشحال۔ کوئی آرام میں ہے اور کوئی تکلیف میں۔ کوئی راجہ ہے اور کوئی فقیر۔ کوئی تندرست ہے اور کوئی بیمار تو انہوں نے اٹکل پچو اس کے یہ معنی پہنائے کہ ہو نہ ہو دنیا کا یہ تفرقہ گزشتہ زندگی کے اعمال کا نتیجہ ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک مادہ اور روح کو بھی کبھی فنا ہی نہیں ہے اور دنیا کا یہ کارخانہ ہمیشہ سے یوں ہی چلا آرہا ہے اور ہمیشہ یوں ہی چلتا رہے گا وہ ایشور کو دیالو اور کرپالو بھی کہتے ہیں اور اس لئے ان کی سمجھ میں نہ آیا کہ خدا جو باپ کی طرح شفیق ومہربان ہے اور عدل وانصاف سے بھی کام لیتا ہے اس نے اپنی مخلوق کے درمیان یہ فرق کیوں پیدا کیا؟ اس کے عدل وانصاف کا تقاضا تو یہ ہے کہ ہر جاندار کے ساتھ وہ مساویانہ سلوک کرے، نہ یہ کسی کو دولت مند بنادے اور کسی کو اتنا مفلس کہ وہ نان شبینہ کو بھی محتاج نظر آئے، کسی کو قوی دست وتنومند پیدا کرے اور کسی کو کمزور ولاغر۔

کوئی مسرت واطمینان کی ہنسی ہنس رہا ہواور کوئی رنج ومصیبت میں مبتلا ہو۔کوئی حریر ودیبا کا لباس پہنے ہواور کوئی نیم عریاں نظر آرہا ہو۔ جب اس اختلاف کے صحیح اسباب ان کی سمجھ میں نہ آئے تو انہوں نے یہ یقین کرلیا کہ ان تفرقوں کی وجہ بس یہی ہوسکتی ہے کہ وہ پچھلے جنم کے کرموں کا پھل ہو اس لئے کہ اگر یہ رنج وراحت صحت وعلالت اور افلاس ودولت خدا کی دی ہوئی تسلیم کرلی جائے تو خدا کا ظالم ہونا لازم آتا ہے۔اوراس لئے ان باہمی تفرقوں کو خدا کے ظلم پر مبنی قرار دینے سے یہ کہیں زیادہ بہتر ہے کہ اسے انسان کے گذشتہ اعمال کا نتیجہ سمجھا جائے۔

یہ ہیں وہ خیالات جو تناسخ کے عقیدہ کو صحیح ماننے والوں کی طرف سے ظاہر کیے جاتے ہیں۔

ہمیں سطور ذیل میں یہ دکھانا ہے کہ یہ عقیدہ بالکل غلط ہے رنج وراحت کا سبب صرف یہ قرار دے لینا کہ وہ گذشتہ جنم کے اعمال کا نتیجہ ہے کسی طرح درست نہیں بلکہ اس کے کچھ دوسرے وجوہ ہیں جہاں تک ہمارے آریہ بھائیوں کی نظر نہیں پہنچ سکی ہے۔

اندازہ اور قیاس پر رائے قائم کرلینا اور پھر یہ سمجھنا کہ ہماری رائے بالکل صائب وصحیح ہے اور اس کے علاوہ کوئی دوسری رائے ہو ہی نہیں سکتی قطعاً غلط ہے مثلاً کسی شخص کے ظاہری اخراجات سے اس کی آمدنی کئی گنا زیادہ ہے لیکن وہ پھر بھی تکلیف میں رہتا ہے ایسی حالت میں بغیر تحقیق حالات کئے ہوئے یہ رائے قائم کرلینا کہ وہ اپنا روپیہ شراب خوری، قمار بازی اور عیاشی میں صرف کردیتا ہے کسی طرح صحیح نہیں ہوسکتا۔ممکن ہے کہ وہ شخص نیکوکار، خداترس اور پرہیز گار ہو۔ وہ برے کاموں میں اپنی آمدنی صرف نہ کرتا ہو بلکہ خفیہ طریقے سے یتیموں اور بیواؤں اور مسکینوں کی مدد کرتا ہو اور اسی جود وسخا اور ایثار کے باعث وہ پیسہ کی طرف سے پریشان رہا کرتا ہو۔بس اسی طرح آریوں نے دنیا کے تفرقوں کو دیکھ کر اندازہ وقیاس پر بغیر چھان بین کئے ہوئے یہ پختہ رائے قائم کرلی ہے کہ وہ گذشتہ جنم کے اعمال کا ثمرہ ہیں اور بس۔لیکن یہ کیا ضرور ہے کہ یہ تفرقہ اور رنج وراحت جو دنیا میں پایا جاتا ہے پچھلے جنم کے اعمال کا نتیجہ ہی ہو،ممکن ہے کہ اس کے اسباب وعلل کچھ اور ہوں جہاں تک آریہ حضرات کے دماغ کی رسائی نہ ہوسکی ہو۔

اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ دنیا دار الامتحان اور عالم اسباب ہے۔خالق عالم نے اس کا نظام کچھ اس طرح قائم کیا ہے کہ علت ومعلول کی تمام کڑیوں کو سمجھ لینا آسان نہیں ہے اور دنیا خواہ کتنی ہی ترقی کرجائے اس کے لئے ہر بات کا جان لینا غیر ممکن ہے۔خدا حکیم مطلق ہے اس نے جو چیز بھی خلق فرمائی ہے وہ کسی حکمت عظیم کے ماتحت۔تاریکی کو پیدا کیا اس لئے کہ روشنی کی تمیز کی جاسکے۔تنگدستی کو پیدا کیا اس لئے کہ انسان فارغ البالی کی اہمیت جان سکے۔ بیماری کو بنایا اس لئے کہ صحت وتندرستی کی قدر کرسکے۔کسی چیز کی پہچان اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ اس کی ضد بھی سامنے نہ ہو۔ دولت کی صحیح طور پر وقعت ومنزلت کو وہی شخص محسوس کرسکتا ہے جس کو فقر وفاقہ کی تکلیفوں کا بھی احساس ہو۔تندرستی کی قیمت وہی سمجھ سکتا ہے جو یہ بھی جانتا ہو کہ بیماری کتنی تکلیف دہ ہوتی ہے۔ممکن ہے کہ بعض انسان اس لئے مبتلائے رنج کئے گئے ہوں کہ منزل رنج سے گزر جانے کے بعد راحت ومسرت کی اہمیت کو جان سکیں یا اس لئے تاکہ ان لوگوں کو جو عیش وآرام میں زندگی بسر کررہے ہیں عبرت وتنبیہ ہو اور وہ ایسے اعمال کرنے کی جرأت نہ کرسکیں جن کے نتیجے میں یہ خدائی نعمتیں سلب ہوجائیں اور ان کا عیش وآرام رنج ومحن سے بدل جائے۔

جیسا کہ اوپر کہا جاچکا ہے دنیا مزرعہ آخرت اور دار الامتحان ہے اور ہر انسان اپنی حالت میں مخصوص عنوانات سے آزمائش وامتحان کی منزلیں طے کررہا ہے۔ افلاس میں بعض افراد کو اس لئے مبتلا کیا گیا تاکہ مفلسوں کے صبر وشکر کا امتحان لیا جاسکے اور یہ جانا جاسکے کہ وہ شدائد ومصائب میں کس طرح ثابت قدم رہتے ہیں اور بھوک کی تکلیف سے عاجز آکر کسب معاش کے ناجائز ذرائع تو اختیار نہیں کرتے۔بعض اشخاص کو دولت اس لئے دی

تا کہ یہ معلوم کیا جاسکے کہ وہ اپنی دولت کو جائز مصارف پر کس طرح صرف کرتے ہیں؟ بھوکوں کو کھانا کھلاتے ہیں یا نہیں محتاجوں کی دستگیری کرتے ہیں یا نہیں اور ننگوں کی تن پوشی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں یا نہیں۔ نابینا کو بصارت سے محروم کرکے خدانے اگرایک طرف خوداس کےصبر واستقلال کی آزمائش کی تو دوسری طرف بصارت رکھنے والوں کے جذبۂ ایثار و ہمدردی کو اس طرح جانچا کہ وہ اس کی کہاں تک اعانت وامداد کرتے ہیں اور اگر وہ کنوئیں میں گر رہا ہے تو وہ اسے بچاتے ہیں یا نہیں اسی مفہوم کوشیخ سعدیؔ نے اس طرح ادا کیا ہے۔

اگر بینی که نابینا و چاه است
وگر خاموش بنشینی گناه است

غرض کہ ان ہی مثالوں پر دنیا کے تمام تفرقوں کے وجوہ کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

آریہ حضرات کا یہ خیال کہ اگر دنیا کے تفرقوں کو پچھلے جنم کے انسانی اعمال کا ثمرہ قرار نہ دیا جائے تو خدا کا ظالم ہونا لازم آتا ہے، ایک ایسا خیال ہے کہ جس میں کوئی استحکام وقوت موجود نہیں ہے۔ اختلاف وتضاد کے جو وجوہ ہم نے اوپر بیان کئے ہیں وہ ان کے اس عقیدے کو بالکل باطل ٹھہراتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس تفریق وامتیاز کو خدا کے ظلم پر اس وقت مبنی قرار دیا جاسکتا تھا جبکہ انسان کو جو کچھ دیا گیا ہے وہ کسی استحقاق کی بنا پر ہوتا۔ لیکن ایسا نہیں ہے بلکہ جو کچھ ہے وہ خدا کی عطا ہے اور عطا اور مزدوری میں فرق ہے۔ ایک معمار نے ہمارا مکان بنایا اور اس کے عوض میں ہم نے پچاس روپئے دیئے تو یہ اس کی مزدوری ہے جس کا ادا کرنا ہمارا فرض ہے اور معمار اپنے استحقاق کی بنا پر اس کے پانے کا حقدار ہے اور اگر ہم اس کی یہ واجب الادا اجرت نہ دیں یا کم دیں تو ہم اخلاقاً قانوناً اور مذہباً مواخذہ دار اور گنہگار ہوں گے لیکن عطا یا بخشش کی صورت اس سے مختلف ہے۔ صبح سے لے کر شام تک میرے دروازے پر دس سائل آتے ہیں میں ان میں سے کسی کو کچھ دیتا ہوں اور کسی کو کچھ اور کسی کو خالی ہاتھ بھی واپس کر دیتا ہوں۔ ان سائلوں میں سے کسی کو یہ شکایت کرنے کا حق نہیں کہ فلاں کو زیادہ کیوں دیا اور مجھے کم کیوں دیا یا بالکل خالی ہاتھ کیوں لوٹا دیا۔ میں نے ان کے درمیان جو تفریق و امتیاز کی حدیں قائم کردیں ان کی بناء پر میں ظالم اس لئے نہیں قرار پاسکتا کہ ان سائلوں نے میری کوئی خدمت انجام دے کر مجھ سے کچھ پانے کا خود کو مستحق نہیں بنایا تھا بلکہ یہ میری بخشش و عطا تھی اور اس لئے میں اس کا مجاز ہوں کہ جسے چاہوں عطا کروں۔ اور جسے چاہوں عطا نہ کروں خدا نے انسان کو جو نعمات دیئے ہیں وہ کسی استحقاق کی بنا پر نہیں ہیں بلکہ سب بر بناء عطا ہیں۔ جس کو جو چاہتا ہے دیتا ہے۔ کم ملنے پر شکوہ کا کسی کو حق حاصل نہیں اور نہ اس وجہ سے خدا ظالم قرار پاسکتا ہے۔ ایک باغ میں چند پودے ہیں۔ مالی ایک کو کیوڑہ وگلاب سے سینچتا ہے اور دوسرے کو خالی پانی سے اور تیسرے کی طرف بالکل وہ توجہ ہی نہیں کرتا اور اسے سوکھنے دیتا ہے تو کیا آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ مالی نے ناانصافی سے کام لیا اور تمام پودوں کے ساتھ مساویانہ برتاؤ نہیں کیا۔ پھر بھی چونکہ خدا دانا وحکیم ہے اس لئے اس کا قائم کیا ہوا تفرقہ مصلحت پر ضرور مبنی ہے۔ اگر ہم اس کی کسی نعمت سے محروم ہیں تو سمجھنا چاہیئے کہ ایسا کسی زبردست مصلحت کی بناء پر ہے۔ خدا کو ہم سے نہ کوئی عناد ہے نہ پرخاش کہ وہ دوسروں کو دے اور ہمیں نہ دے۔

اس کے الطاف تو ہیں عام شہیدیؔ سب پر
تجھ سے کیا ضد تھی جو تو بھی کسی قابل ہوتا

ممکن ہے کہ خدا نے کسی مصیبت میں اس لئے مبتلا کیا ہوتا کہ ہم اس سے زیادہ شدید وعظیم مصیبت سے محفوظ رہ سکیں۔ اس کا اندازہ مجھے ایک مرتبہ خوب ہوا۔ ۳۱-۱۹۳۰ء میں لکھنؤ کے اندر ایک مشہور نام آور ڈاکو نے ہنگامہ برپا کر رکھا تھا۔ چوری اور ڈاکہ زنی کی وارداتیں بڑھ گئی تھیں۔ شہر میں ہر چہار طرف خوف وہراس چھایا ہوا تھا۔ رات کو پولیس کی زبردست گشت کے باوجود ہر ہر محلہ کے ساکنوں نے اپنی اپنی حفاظتی ٹولیاں خود بھی

بنا رکھی تھیں جورات کو محلہ بھر میں گشت کر کے حفاظت کرتی تھیں لیکن اہل شہر اس قدر خوفزدہ ہو گئے تھے کہ ذرا سی تاریکی شب میں آہٹ ہوئی اور سمجھ لیا گیا کہ ڈاکو آ پہنچے بس پھر کیا تھا رئیسوں کے مکانوں سے ہوائی فیر کی آوازیں آنے لگیں گو یا وہ ڈاکوؤں کو خوفزدہ کر کے بھگانا چاہتے تھے لیکن شہر میں ایک میں ہی ایسا شخص نہیں تھا جو رات کو بے غل وغش اطمینان سے سوتا تھا بلکہ مجھ ایسے ہزاروں اشخاص اور بھی ہوں گے جن کو نہ چور کا کھٹکا تھا اور نہ ڈاکو کا غم۔ اس زمانہ میں اپنی بے مائگی پر بڑا مسرور و مطمئن تھا اور اطمینان و بےفکری کا جہاں تک سوال تھا لکھنؤ کا کوئی دولتمند بھی میرا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا میں خدا کا شکر کیا کرتا تھا کہ اچھا ہوا میرے پاس دولت نہ ہوئی۔ اگر دولت ہوتی تو روٴسا کی طرح میرے لئے بھی راتوں کا سونا حرام ہوجاتا۔ اب آپ خود غور فرمائیں کہ بھلا میں خدا سے اس کا کیوں شکوہ کروں کہ اس نے مجھے سرمایہ دار نہیں بنایا، جبکہ میں کمی دولت کی حالت میں خود کو زیادہ خوش اور مطمئن پاتا ہوں اور ایسی صورت میں جبکہ میں اپنی موجودہ حالت میں مطمئن ہوں مجھے یہ عقیدہ رکھنے کی کوئی وجہ نہیں کہ میرا دولتمند نہ ہونا ان اعمال و افعال کا نتیجہ ہے جو میں نے اپنے گذشتہ جنم میں کئے تھے۔

ان تمام مصلحتوں کا سمجھ لینا انسان کے لئے ممکن نہیں ہے جن کی بناء پر خدا نے دنیا میں تفرقے کے حدود کو قائم کیا ہے لیکن پھر بھی بہت سی موٹی موٹی باتیں ہماری سمجھ میں آتی رہتی ہیں۔ ایسی مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں کہ آج انسان کے پاس دولت نہیں ہے تو وہ تمام اوصاف وصفات کا مجسمہ بنا ہوا ہے لیکن کل دولت حاصل ہوجانے کے بعد شیطان مجسم بن گیا ہے اور اس سے سیکڑوں افعال بدسرزد ہونے لگے ہیں۔ اموی خاندان کا بادشاہ عبدالملک جس کے زمانہ میں ہندوستان کے صوبۂ سندھ پر بھی حملہ ہوا تھا تاج وتخت ملنے سے قبل بڑا نیک اور پارسا تھا۔ مسجد مدینہ میں دن رات عبادت و ریاضت میں منہمک رہتا تھا اور نیکوکاری اور پاک نفسی کے لئے کافی شہرت رکھتا تھا لیکن جب سلطنت و دولت مل گئی تو تمام زہد و اتقا تشریف لے گیا اور ایسے ایسے مظالم و معاصی کا مرتکب ہوا جن کی تفصیل سے جسم میں لرزہ پیدا ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ایسی صورت میں خدا کا دولت نہ دنیا بھی ایک قسم کی نعمت ہے، خواہ اسے ہم اپنی کوتاہی عقل کی وجہ سے نعمت نہ سمجھیں۔ نعمات وعطایا کی خدا کے خزانہ میں کوئی کمی نہیں لیکن بہت سی صورتوں میں انسان ان نعمتوں سے مستفید ہونے کا اہل نہیں ہوتا اور اس لئے اس کے ساتھ رحم وانصاف یہی ہے کہ ان سے اس کو محروم رکھا جائے اسی خیال کو مشرق کے حکیم سعدی نے اس طرح ظاہر کیا ہے:۔

پدر را عمل بسیار است و لے پسر گرمی دار است

ہوسکتا ہے کہ خدا نے کمزوروں کو قوت وطاقت سے اس لئے محروم کر دیا ہو کہ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو یہی کمزور طاقت وقوت کی موجودگی میں فساد عظیم کا باعث ہوتے۔ کمزوروں کو ستاتے بندگان خدا پر ظلم وتعدی کرتے اور غریبوں کی زحمات وتکالیف کا سبب بنتے۔

گربہ مسکیں اگر پر داشتے
تخم کنجشک از جہاں بر داشتے

اس کے علاوہ دنیا عالم اسباب ہے اور قدرت کا نظام اس طرح قائم ہے کہ ہر سعی وعمل کا نتیجہ نکلے بغیر نہیں رہتا۔ فرض کیجئے ایک کسان ہے جو محنت کرتا ہے وقت پر جوتتا بوتا ہے، ضرورت کا صحیح اندازہ کر کے آبپاشی کرتا ہے اور صحیح وقت پر فصل کاٹتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کی ان مساعی کا نتیجہ یہی نکلے گا کہ غلہ زیادہ پیدا ہو اور وہ رفتہ رفتہ خوش حال ہوجائے۔ دوسرا کاشتکار ہے جو کاہل و سست ہے۔ محنت ومشقت سے جان چراتا ہے۔ نہ کھیتوں کی جوتائی اچھی کرتا ہے، نہ بیج اچھا ڈالتا ہے۔ نہ آبپاشی وقت پر کرتا ہے اس کا فطری نتیجہ یہ ہوگا کہ غلہ کم پیدا ہو اس کی مالی حالت سقیم ہوجائے۔ اب ان دونوں کاشتکاروں کی خوشحالی وتباہ حالی کا سبب اس کے پچھلے جنم کے افعال کو قرار دینا کہاں تک مبنی بر عقل ہوسکتا ہے، جبکہ یہ ظاہر ہے کہ پہلے کاشتکار کی راحت کا

سبب اس کی محنت ومشقت ہے اور دوسرے کے رنج ومصیبت کی وجہ اس کی سستی وکاہلی۔

ایک شخص شراب کا عادی ہے اور دن رات مے گساری اور بدمستی میں پڑا رہتا ہے۔ شراب کی کثرت اس کے پھیپھڑوں کو خراب کردیتی ہے۔ جگر کے فعل کو بگاڑ دیتی ہے دماغ کو ضعیف بنادیتی ہے اور اس طرح وہ شخص اپنی صحت وتندرستی کو غارت کرلیتا ہے۔ ایسی حالت میں اس کی علالت وعدم صحت کہ ذمہ داری کسی طرح بھی خدا پر عائد نہیں کی جاسکتی بلکہ اس نے خود اپنے پیر میں دیدہ ودانستہ کلہاڑی ماری ہے۔ اب اگر آپ اس بیماری اور خرابیٔ صحت کو پچھلے جنم کے افعال واعمال کا نتیجہ قرار دیں تو اسے کسی طرح صحیح نہیں کہا جاسکتا بلکہ اس کا سبب خود اس کے اپنے کرتوت ہیں جن کی بدولت اس نے خود کو اس مصیبت میں مبتلا کیا ہے۔

ایک چور نے چوری کی گرفتار ہوا اور قید وبند کی مصیبتوں میں مبتلا کردیا گیا۔ ظاہر ہے کہ اس کی ان تکلیفوں کا سبب خود اس کا فعل سرقہ تھا اور انہیں پچھلے افعال کا ثمرہ سمجھنا بالکل خلاف عقل بات ہے۔

ایک بدکار، زانی گھناؤنے اور موذی امراض کا شکار ہوکر اذیت وتکلیف میں گرفتار ہوگیا ہے۔ عقل سلیم تو اس کا سبب اس کی بدکاریوں ہی کو قرار دیتی ہے اور سامنے کی ایک سیدھی بات کو پس پشت ڈال کر اس پیچ در پیچ اور گنجلک بات کو قبول نہیں کرسکتی کہ اس کی موجودہ مصیبتیں کسی پہلی زندگی کے کرموں کا پھل ہیں۔

ایک شخص ورزش کرتا ہے اور اصول حفظان صحت کا پورا پورا لحاظ رکھتا ہے جس کی وجہ سے بیماری کبھی اس کے پاس نہیں آتی؟ وہ تندرست وتوانا اور قوی ہے۔ بازؤں میں کس بل ہے۔ اب اس کی قوت اور صحت کو اس کی ورزش واحتیاط کا نتیجہ سمجھا جائے گا یا گذشتہ جنم کے کسی فعل حسن کا نتیجہ۔ قرین عقل تو پہلی ہی بات معلوم ہوتی ہے اور دوسری بات قیاس وواہمہ پر مبنی دکھائی دیتی ہے۔

اگر دنیا کے ان تفرقوں کو پچھلے جنم کے افعال کا نتیجہ سمجھا جائے تو اس کا کیا جواب ہے کہ جب پہلی مرتبہ حیوانات، نباتات اور جمادات خلق کئے گئے تو وہ کس جرم کی پاداش میں۔ جب روحوں کو کسی قالب میں آکر اچھے برے افعال کرنے کا موقع نہیں ملا تھا تو پھر ان کو انسان، چرند، پرند، شجر وحجر، چاند، سورج اور ستاروں کے قالب میں کیوں محبوس کردیا گیا اور وہ کس خطا میں مورد عذاب بنائے گئے۔

اس معمہ کا حل سوائے اس کے کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا ہے کہ تناسخ کے عقیدے کو غلط قرار دیا جائے اور یہ سمجھا جائے کہ خدائے حکیم ودانا نے گونا گوں مصالح کی بنا پر ان تفرقوں کو قائم رکھا ہے جن کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اس کی ہر ہر مصلحت پوری طرح انسان کی سمجھ ہی میں آجائے۔

آریوں کے عقیدے کے مطابق صرف وہی راہ حق پر ہیں اور باقی تمام مذاہب کے پیرو گمراہی پر۔ عیسائی اور مسلمان بھی ان کے نزدیک راہ مستقیم سے ہٹے ہوئے ہیں۔ ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ جتنے انسان دنیا میں پیدا ہوتے رہتے ہیں پچھلے جنم کے افعال واعمال کے نتیجہ ہیں۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ مغرب ومشرق میں بسنے والے عیسائی اور مسلمان بہ اعتبار صحت ودولت اور بہ لحاظ وقار وقوت ہندؤں سے بہت زیادہ بہتر حالت میں ہیں۔ آریوں کے اصول تناسخ کی بناء پر اس کا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انہوں نے پچھلے جنم میں اچھے کام کئے ہوں گے اور ممکن ہے کہ ان میں سے اکثر دھرما تما آریہ رہے ہوں۔ پچھلے جنم کے اچھے کرموں کا یہ پھل ہی تو ہوسکتا ہے کہ آج یورپ اور ایشیاء میں لاکھوں کی تعداد میں لکھ پتی اور کروڑ پتی موجود ہیں جن کی دولت کا اندازہ بھی نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن اس صورت میں ایک گتھی سمجھ میں نہ آسکی اور وہ یہ کہ ایک طرف انہیں پرمیشور نے غیر آریہ بنا کر ایسی گمراہی میں مبتلا کردیا جس کی پاداش میں وہ مرنے کے بعد کسی برے قالب میں پہنچ کر کشٹ بھوگیں گے اور دوسری طرف انہیں اکرام وانعام سے بھی نوازا، تندرست وتوانا بنایا، دولت مند کیا، عزت بخشی، آبرو دی، غرض کہ ہر قسم کی نعمت عنایت کردی

آخر یہ متضاد باتیں کیسی؟ اگر انہوں نے پہلی زندگی میں اچھے اعمال کئے تھے تو انہیں گمراہ قوم میں پیدا ہی نہ کرنا چاہیئے تھا بلکہ کسی راسخ العقیدہ آریہ مہاشے کے گھر جنم دینا چاہئے تھا اور اگر وہ برے اعمال کے مرتکب ہوئے تھے تو دولت واقبال، کامیابی وکامرانی اور اطمینان و شادمانی کی کنجی ان کے حوالہ نہ کردینی چاہئے تھی اور انصاف کا مقتضی یہ تھا کہ وہ کسی نہج سے تناسخ کے ماننے والوں کی بہ نسبت اچھی حالت میں نہ رکھے جاتے۔

نباتات وجمادات میں بھی تناسخ کے عقیدے کی بناء پر روح ہے اور ویسی ہی روح جیسی حیوانات میں ہوتی ہے۔ اگر ایسا ہے تو ہمارے آریہ حضرات پتھروں کو کاٹ کاٹ کر اور توڑ توڑ کر مکان کیوں بناتے ہیں؟ درختوں کی لکڑیاں عمارتوں میں کیوں صرف کرتے اور ایندھن کے طور پر کیوں جلاتے ہیں؟ ترکاریاں اور سبزیاں کیوں کھاتے ہیں؟ ایک طرف تو وہ اہنسا کے اصول کو صحیح سمجھتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ کسی صورت میں بھی جیو ہتیا نہیں کرنا چاہئے۔ لیکن تعجب تو اس امر پر ہے کہ حیوانات کی روح کو تو وہ روح سمجھتے ہیں حالانکہ ان کے عقیدے کی بناء پر وہی شجر وحجر میں بھی موجود ہے جو حیوانات میں۔ جب تک وہ سبزیاں کھاتے رہیں گے، معدنیات کی مختلف چیزیں روزمرہ استعمال کرتے رہیں گے اور لکڑی کو کام میں لاتے رہیں گے وہ جیو ہتیا کے الزام سے نہیں بچ سکتے، البتہ ان تمام چیزوں کا استعمال ان کے لئے اسی وقت جائز ہوسکتا ہے جبکہ وہ تناسخ کے عقیدے کو غلط سمجھیں۔

تناسخ پر عقیدہ رکھنے والوں نے کبھی ان خرابیوں پر غور ہی نہیں کیا جو اس عقیدے سے پیدا ہوتی ہیں۔ اگر اصول تناسخ کو صحیح مان لیا جائے تو پھر دنیا میں علم طب کی کوئی ضرورت نہیں رہتی، اس لئے کہ انسان کو جو امراض لاحق ہوتے ہیں وہ پچھلے جنم کی بداعمالیوں کے نتیجہ میں۔ اس صورت میں کوئی طبیب کوئی ڈاکٹر اور کوئی وید علاج و معالجہ کے ذریعہ سے خدا کو اس سے باز نہیں رکھ سکتا کہ وہ گنہگاروں کو ان کے اعمال بد کی سزا نہ دے۔ جب گذشتہ زندگی کے گناہوں کے بدلے میں بیماریوں کا لاحق ہونا ضروری ہے تو پھر دوائیں کس طرح کارگر ہوسکتی ہیں اور وہ خدا کو عدالت سے کس طرح باز رکھ سکتی ہیں، بلکہ علاج و معالجہ میں کوشش کرنا ایک قسم کا پاپ قرار پاتا ہے۔ خدا تو مجرم کو اس جرم کی سزا دینا چاہتا ہے اور آپ اس کے کام میں خلل انداز ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ جج اگر کسی چور کو سزائے قید دے کر جیل میں بند کردے اور آپ جج کی منشاء کے خلاف اس کو جیل خانہ سے نکال کر فرار کردینے کی کوشش کریں تو آپ کا یہ فعل بھی قانون کی نظروں میں جرم قرار پائے گا جب آپ کسی دنیاوی منصف کے کام میں رکاوٹ ڈالنے کے مجاز نہیں تو خدا کے عدل وانصاف میں آپ کو بدرجہ اولیٰ مزاحمتیں پیدا کرنے کا حق نہیں ہوسکتا اور اگر آپ نے ایسا کیا تو ایک ناقابل عفو گناہ کے مرتکب ہوں گے۔

اور پھر اگر امراض پچھلے جنم کے گناہوں کا نتیجہ ہیں تو دواؤں سے ان کا ازالہ کیسے ہوجاتا ہے! فرض کیجئے کہ آج ایک شخص بخار میں مبتلا ہوا تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ اس نے پچھلے جنم میں کوئی ایسا گناہ کیا تھا جس کی پاداش خدا نے بخار رکھی ہے۔ اب اس کے گناہ کے اعتبار سے جتنے دن اسے سزائً بخار میں مبتلا رہنا ہے ضرور رہے گا اور کوئی علاج و معالجہ اسے اس سزا سے نجات نہیں دلا سکتا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ دوا سے بخار اترا جاتا ہے۔ اب اس بخار کو کسی گذشتہ عمل بد کا نتیجہ کیسے سمجھا جاسکتا ہے؟ اگر بخار سزا کی حیثیت سے آیا ہوتا تو دوا اثر خیزی میں ناکام ثابت ہوتی اور اگر یہ کہا جائے کہ سزا کی مدت بخار آنے اور دوا دیئے جانے تک ہی تھی تو پھر اگر دوا نہ بھی دی جاتی تو بھی میعاد سزا پوری ہونے کے بعد بخار خود بخود جاتا رہتا۔ ایسی صورت میں دوا کا دینا بالکل بے سود قرار پاتا ہے۔ غرضکہ اگر تناسخ کے عقیدے کو صحیح مان لیا جائے تو دنیا میں طبیبوں، ڈاکٹروں اور ویدوں کی کوئی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی اور فن طب بالکل بیکار ہوا جاتا ہے

انسان اشرف المخلوقات ہے اور غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز اس کی خدمت اور اسی کی نفع رسانی کے لئے خلق کی گئی ہے۔ اگر جانور نہ ہوں تو ہم اپنی کھیتی باڑی، سواری، بار برداری اور دودھ مکھن کی ضرورتیں کیسے پوری کریں؟ اگر نباتات نہ ہوں تو غذا سامان لباس اور دیگر لوازمات زندگی کس طرح حاصل ہوں؟ اگر جمادات نہ ہوں تو عمارتیں، پل، سڑکیں ،آلات مدافعت و جنگ اور روزمرہ کے استعمال کے لئے ظروف کس طرح بنائے؟ جائیں یہ ایسی ناگزیر چیزیں ہیں جن کے بغیر انسان چند گھنٹہ بھی اپنی زندگی کو باقی نہیں رکھ سکتا۔ عقل سلیم غور کرنے سے اس نتیجہ پر پہنچتی ہے کہ دنیا کی تمام اشیاء پچھلے جنم کے کسی عمل کا ثمر نہیں ہیں بلکہ اس لئے خلق کی گئی ہیں تا کہ انسان انہیں اپنے صرف میں لاکر خود کو اس قابل بنائے کہ وہ ان فرائض اور ذمہ داریوں سے بہ احسن الوجوہ عہدہ برآ ہو سکے جو خدا نے اس کے اوپر عائد کردی ہے۔

ابرو بادومہ وخورشیدو فلک درکار اند
تاتو نانے بکف آری و بہ غفلت نخوری

جب آریہ عقیدے کی بناء پر خدا نے ابتداً کچھ جوان مرد اور عورتیں پیدا کر کے زمین کو آباد کرنے کی داغ بیل ڈالی تو آخر یہ نئی مخلوق کن اعمال کے نتیجہ میں خلق کی گئی اور کیا اس وقت سوائے ان انسانوں کے شجر و حجر کچھ بھی نہ تھے اور اگر نہ تھے تو پہلے پہل دنیا میں آنے والے انسان اپنی ضروریات کو کس طرح پورا کرتے تھے اس لئے کہ ابھی ان انسانوں سے کوئی گناہ سرزد نہ ہوا تھا کہ مرنے کے بعد ان کی روحیں نباتات اور جمادات کی شکل میں منتقل ہو جاتیں۔

تناسخ کی عقیدے کی بناء پر یہ بھی لازم آتا ہے کہ خدا میں رحم وکرم کے صفات موجود نہیں ہیں اور نہ ہم سے وہ یہ چاہتا ہے کہ ان صفات حسنہ کا مظاہرہ کریں اور مصیبت زدگان سے ہمدردی کے ساتھ پیش آئیں اس لئے کہ اصول تناسخ کی بموجب انسان کو دنیا میں جو راحت بھی حاصل ہوتی ہے وہ کسی نہ کسی عمل خیر کے لازمی نتیجہ میں جو ہم نے پچھلے جنم میں کیا ہے، اس میں خدا کے رحم وکرم کو کوئی دخل نہیں ہے۔ ہم نے جو کچھ پایا ہے وہ خدا کی طرف سے انعام و اکرام کے طور پر نہیں بلکہ اس لئے کہ ہم اپنے گذشتہ اعمال نیک کی وجہ سے اس کے مستحق تھے اس طرح آریوں کا خدا نہ رحیم ثابت ہوتا ہے، نہ کریم۔

اب رہی دوسری شق کہ نظریہ تناسخ کی بنیاد پر جس طرح خدا رحم وکرم نہیں کر سکتا اسی طرح سے وہ یہ بھی نہیں چاہتا کہ کوئی انسان کسی مصیبت زدہ سے اظہار ہمدردی کرے اور اس کی تکلیف کو کم کرنے یا رفع کرنے کی کوشش عمل میں لائے اس لئے کہ مبتلایان آلام اور گرفتاران بلا گویا معتوب و مغضوب ہیں جو پچھلے گناہوں کی سزا میں مصیبت میں مبتلا کردئے گئے ہیں۔ بادشاہ کی رعایا میں سے کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ اس شخص کی کوئی مدد کرے جس پر شاہی عتاب نازل ہوا ہو۔ اب اگر ہم نے بھوکے کو کھانا کھلا دیا، ننگے کی تن پوشی کردی یا بیکار کو باکار بنادیا وغیرہ وغیرہ، ہمارے یہ سب کام نافرمانی خدا کی حد میں آجاتے ہیں۔ تناسخ کو صحیح ماننے کی حالت میں تو خیر و خیرات ایک بے معنی چیز ہوکر رہ جاتی ہے اور محتاج خانے، خیرات خانے، پبلک شفاخانے اور دوسرے رفاہ عام کے ادارے قائم کرنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

تناسخ کے عقیدے کی صحت کو اگر تسلیم کرلیا جائے تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ دنیا کا یہ تمام کارخانہ معاصی ہی کی بنیاد پر چل رہا ہے، اور اگر معاصی کا وجود باقی نہ رہے اور تمام انسان پاک دامن اور نیکوکار ہو جائیں تو پھر چاند، سورج، ستارے، نباتات، جمادات، حیوانات کسی چیز کا بھی وجود نہ نظر آئے اس لئے کہ جب انسان گناہ کرتے ہیں تو ان کے مرنے کے بعد ان کی روحیں مختلف شجر و حجر اور چرند و پرند کی صورتیں اختیار کرتی ہیں۔ اگر گناہوں کا سلسلہ ختم ہو جائے تو پھر دنیا کی یہ چیزیں جامۂ وجود پہن ہی نہیں سکتیں۔ اس لئے یہ لازم ٹھہرتا ہے کہ خدا کا منشاء یہ ہے کہ دنیا میں گناہ ہوتے رہیں تا کہ اس کی خدائی کا کارخانہ چلتا

رہے اور وہ طرح طرح کی چیزیں خلق کرتا رہے۔ اسی طرح انسان بھی اپنی راحت و آرام کی خاطر ہمیشہ اس کے متمنی رہیں گے کہ دنیا میں فسق و فجور اور ظلم و جور کا خاتمہ ہو بلکہ ان میں برابر کا اضافہ ہوتا رہے، اس لئے کہ اگر گناہ نہ ہوں گے تو نیکوکاروں کو خدا انعام و اکرام میں کیا چیزیں دے گا؟ مثال کے طور پر یہ دیکھئے کہ مثلاً ایک شخص رام چرن نامی نے پچھلے جنم میں ایک ایسا نیک عمل کیا تھا جس کی جزاء میں اسے موجودہ زندگی میں ایک گائے ملنا چاہئے اور مثلاً خدا نے سادھو کے قاتل کی سزا یہ رکھی ہے کہ اسے مرنے کے بعد گائے کی جون میں جائے۔ اب اگر دنیا میں کوئی شخص سادھو کے قتل کا مرتکب نہیں ہوا ہے تو گائے کیسے پیدا ہوگی؟ اور رام چرن کو اس کے نیک عمل کا پھل کیسے دیا جا سکے گا؟ اس لئے رام چرن کی فطری طور پر یہ خواہش ہونا چاہئے کہ دنیا میں کوئی انسان سادھو کے قتل عمد کا ارتکاب کرے تاکہ اسے گائے دستیاب ہو سکے۔ اسی طرح خدا بھی اس کے لئے مجبور ہے کہ وہ کسی انسان کے ہاتھ سے سادھو کو قتل کرائے تاکہ وہ رام چرن یا اسی جیسے نیکوکار بندوں کو گائے کی شکل میں ان کی نیکیوں کا عوض دے سکے اور اگر تمام انسانوں نے نیکوکاری کی زندگی گزاری اور کسی نے سادھو کو قتل نہ کیا تو پھر خدا اپنے مستحق بندوں کو گائے کی صورت میں بدلا کیسے دے سکتا ہے!

ایسا نہیں ہے کہ دنیا میں مصائب و آلام اور رنج و غم کی وجہ سے پچھلے جنم کی بداعمالیاں ہوں بلکہ اس دنیا میں بعض وقت انسان کو کسی نیک مقصد کے لئے بھی مبتلائے رنج و محن ہونا پڑتا ہے۔ فرض کیجئے میرے پاس صرف ایک روٹی ہے ایک دوسرا بھوکا آتا ہے اور میں انسانی ہمدردی کے جذبہ سے مغلوب ہو کر خود بھوکا رہتا ہوں اور وہ روٹی اس بھوکے کو کھلا دیتا ہوں۔ اس ایثار کی وجہ سے مجھے جو مصیبت گرسنگی برداشت کرنا پڑی، اس کا واضح سبب میری نیکی اور جذبہ ہمدردی ہے۔ اسے کسی پچھلے گناہ کی سزا کیسے کہا جا سکتا ہے؟ ایک شخص آگ کے شعلوں میں گھر گیا ہے، میں انسانی ہمدردی میں اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر اور جلتے ہوئے مکان میں گھس کر اس شخص کو نکال لایا اور اس مستحسن کوشش میں مجھے جراحتیں بھی پہنچیں اور میرے جسم کے اعضا بھی جھلس گئے۔ اب یہ عقل کی کھوٹ ہوگی اگر میری مصیبت کو میری نیکی اور جذبہ انسانیت کا نتیجہ نہ سمجھا جائے بلکہ اس کا یہ مطلب نکالا جائے کہ میں نے پہلے جنم میں پاپ کئے تھے اور گناہوں کا مرتکب ہوا تھا جس کے بدلے میں مجھے اس مصیبت میں مبتلا ہونا پڑا۔ اگر آپ نے میرے متعلق یہ رائے قائم کی تو گویا آپ جذبات ہمدردی و انسانیت کی توہین کر رہے ہیں اور ایسے ایثار پیشہ حضرات کو پست ہمت بنا رہے ہیں جو خود تکلیفوں میں مبتلا ہو کر دوسروں کو راحت پہنچاتے ہیں۔

دنیا میں صدہا رسول، نبی، رشی، منی گزرے ہیں جن کو دنیا میں اسی لئے بھیجا گیا تھا کہ وہ بنی نوع انسان کو راہ مستقیم پر چلنے کی ہدایت کریں۔ خدا کے ان پاک بندوں نے انسان کی اصلاح کی کوششوں میں اپنی زندگیاں گزار دیں اپنے فرض کی انجام دہی میں انہیں سیکڑوں رنج و آلام کا مقابلہ کرنا پڑا، نافرمان قوم کے ہاتھوں تکلیفیں جھیلیں، مصیبتیں اٹھائیں، رنج و غم سہے، توہینیں برداشت کیں اور اکثر کو ظالموں کے ہاتھ سے جام شہادت نوش کرنا پڑا۔ کیا یہ کہنا حق بجانب ہوگا کہ ان پاک و پاکیزہ اور عظیم المرتبت ہستیوں نے یہ مصائب و آلام پچھلی بداعمالیوں کے عوض میں برداشت کئے۔ آریہ حضرات کو خود اپنے رشیوں اور منیوں کی زندگی کو دیکھنا چاہئے اور پھر انصاف سے کام لے کر عقیدہ تناسخ کی صحت و عدم صحت کے متعلق رائے قائم کرنا چاہئے۔ رام چندر جی کو بن باس کی صعوبات جھیلنا پڑیں، آپ نے جنگلوں میں پاپیادہ سفر کئے، محلوں کو چھوڑ کر درختوں کے سایہ میں دن گزارے سوادشٹ بھوجنوں کو چھوڑ کر جنگلی پھل پھلاری پر بسر کی، سیتا جی کی جدائی کے کشٹ سہن کئے، لنکا کے راکشش راون کے ہاتھوں ظلم و ستم اٹھائے، اب اگر ان مصیبتوں اور پریشانیوں کو آپ اپنے عقیدہ تناسخ کی بناء پر یہ کہیں کہ یہ سب کچھ پچھلے پاپوں کا پھل تھا تو خود ہی انصاف سے کہئے کہ کس آریہ کی عقل

اسے باور کرے گی اور رام چندر جی کی مذہبی حیثیت کو سمجھنے اور انہیں پرمیشور کا اوتار جاننے کے بعد یہ کس طرح قبول کیا جا سکے گا کہ اس مذہبی پیشوا کا دامن بھی پاپوں سے آلودہ رہ چکا ہے۔

کرشن جی مہاراج مہابھارت کی اس جنگ میں شریک تھے جس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ حق و صداقت کے لئے تھی۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ جنگ میں لڈو پیڑے نہیں بٹتے ہیں بلکہ مصائب و تکالیف برداشت کرنا ہوتے ہیں۔ مہابھارت کی حق و صداقت والی لڑائی میں کرشن جی اور ان کے ہمراہیوں کو جو سب حق وصداقت کے لئے لڑ رہے تھے جو تکلیفیں اور اذیتیں جھیلنا پڑیں، کیا ان کے متعلق آپ کا بھی یہی نظریہ ہے کہ وہ پچھلے گناہوں کا نتیجہ تھیں اور کیا کرشن جی جیسی عظیم المرتبت مذہبی ہستی کے بارے میں بھی ایسے گستاخانہ خیال کو آپ اپنے دماغ میں جگہ دے سکتے ہیں۔

نیک کام میں بھی تھوڑی یا بہت تکلیف ضرور اٹھانا پڑتی ہے۔ آپ سورج نکلنے سے پہلے بستی سے باہر دریا پر اشنان کرنے جاتے ہیں ظاہر ہے کہ اس میں تکلیف ضرور ہوتی ہے۔ تیرتھ استھانوں کی یاترا کو جاتے ہیں اور اس سلسلہ میں صعوبات سفر برداشت کرتے ہیں، برت رکھتے ہیں اور بھوک کا کشٹ سہن کرتے ہیں، پن اور دان کرتے ہیں اور روپیہ کا نقصان اٹھاتے ہیں، تپسیا کرتے ہیں اور جسمانی تکلیف جھیلتے ہیں۔ کتنے رشی منی وہ گذرے ہیں جنہوں نے تپسیا میں عمریں بسر کر دیں اور اپنے جسموں کو بڑی بڑی اذیتیں پہنچائیں مہاتما بدھ نے ریاضت وعبادت میں شدید تکلیفیں برداشت کیں تو کیا عبادت کے سلسلہ میں بھی جو مصائب انسان انگیز کرتا ہے وہ بھی پچھلے پاپوں کا پھل ہوتے ہیں اور کیا آپ کا دل یہ قبول کر لینے کے لئے تیار ہے کہ گوتم بدھ اور ان جیسے دوسروں مہاتماؤں نے پرمیشور کی خوشنودی کے لئے عبادت و ریاضت میں جو تکلیفیں اٹھائیں وہ اس لئے تھیں کہ وہ مذہبی ہستیاں اپنے پچھلے جنم میں بدکار اور بداعمال رہ چکی تھیں۔

تناسخ کا عقیدہ رکھنے والے انسانوں کے لئے خدا کی عبادت و بندگی کی بھی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ جب رنج و راحت اپنے ہی اعمال کا نتیجہ قرار پائے تو پھر ہمیں عبادت اور تپسیا سے خدا کو خوشنود کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اگر ہم نے اچھے کام کئے ہیں تو مرنے کے بعد ہماری روح خوامخواہ اچھے قالب میں پہنچ جائے گی اور اگر برے افعال کے مرتکب ہوئے ہیں تو قہری طور پر کسی ایسے قالب میں منتقل ہوگی جس میں تکالیف کا سامنا کرنا پڑے۔ خدا کو اس کا کوئی اختیار ہی نہیں رہتا کہ وہ ہماری کسی خطا کو معاف کر دے۔ اس سے نہ طلب رحمت کی ضرورت ہے اور نہ کسی قسم کی دعا کرنے کی حاجت۔ اگر ہم نے پچھلے جنم میں کوئی نیک عمل کیا ہے تو خود ہی اس وقت ہمیں اس کا معاوضہ مل جائے گا اور اگر کوئی نیک عمل نہیں کیا ہے تو تناسخ ماننے والوں کے خدا میں اتنی قدرت نہیں ہے کہ وہ ہم پر رحم کر کے بے منت و بغیر استحقاق ہمیں کچھ عطا کر دے خواہ ہم خوشامد کریں اس کے سامنے گڑگڑائیں دعا مانگیں، وہ ہمیں کچھ بھی نہیں دے سکتا۔ ایسی حالت میں جبکہ خدا نہ رحیم ہے، نہ کریم اور نہ وہ اپنی طرف سے ہمیں کچھ عطا کر سکتا ہے تو پھر دعا کرنا بھی بالکل بے سود ہو جاتا ہے۔ پچھلے جنم میں جیسا کیا ہوگا، اس کا پھل بہر حال مل کر رہے گا، خدا ہمارے نوشتہ تقدیر کو پلٹ نہیں سکتا۔

تناسخ کے عقیدہ کی بناء پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ خدا ایسا حاکم ہے جو معاف کرنا نہیں جانتا بلکہ اتنا سخت گیر ہے کہ بندہ سے خواہ نادانستہ طور پر ہی سہی اگر ایک مرتبہ کوئی چھوٹا سا بھی گناہ سرزد ہو گیا تو پھر عفو تقصیر محال ہے۔ وہ حاکم بالادست جو کسی خطا کو کسی حالت میں بھی معاف نہیں کرتا ہو مقبول و ہر دلعزیز نہیں ہو سکتا۔ بہر حال عقل بتاتی ہے کہ قلبی شرمندگی اور ندامت وانفعال خلوص، دل سے توبہ اور آئندہ کے لئے گناہوں سے محترز رہنے کا صدق دل سے عہد، ایسی چیزیں ہیں جن کی بنیاد پر تقصیر و گناہ معاف ہو سکتے ہیں، لیکن اگر کسی بااختیار و آزاد حاکم کو یہ چیزیں بھی کسی حالت میں اپیل نہ کریں تو وہ عوام کی حقیقی محبت کا مرجع قرار نہیں پا سکتا بلکہ لوگ دل میں اس سے نفرت رکھتے ہیں۔ بس

یہی حال تناسخ ماننے والے کے خدا کا ہے جو کسی بندہ کی ایسی خطا کو بھی معاف نہیں کرتا جو سہو ونسیان کی بنیاد پر سرزد ہوگئی ہو۔

ہم آئے دن اس دنیا میں دیکھتے رہتے ہیں کہ ایک شخص کوئی جرم کرتا ہے اور پولیس اس کو گرفتار کر کے عدالت کے سامنے پیش کرنا چاہتی ہے۔ وہ یہ سمجھ کر کہ میں سزا پا جاؤں گا قانون کی گرفت سے نجات نہ پاسکوں گا اور معافی نہ مل سکے گی، فرار کر جاتا ہے۔ پولیس اس کے کھوج میں لگی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ مایوس ہو کر قتل وغارت گری کا پیشہ اختیار کر لیتا ہے اور اس کا ایک معمولی جرم آئندہ بہت سے جرموں کی تمہید بن جاتا ہے۔ اسی طرح اگر ایک تناسخ کے ماننے والے سے دانستہ یا نادانستہ طور پر کوئی گناہ سرزد ہوگیا تو اس کو یہ یقین کر لینے کا حق ہے کہ اب توبہ واستغفار کی کنجی بھی باب مغفرت کو نہیں کھول سکتی، کسی صورت سے معافی نہیں مل سکتی اور سزا پانا لازمی ہے تو بحالت مایوسی وہ مزید گناہوں کے ارتکاب پر آمادہ ہوجائے گا اور کیا عجب ہے کہ اس کی تمام عمر فسق وفجور اور ظلم وجور ہی میں بسر ہوجائے۔

آریوں میں روح کو غیر مخلوق، غیر فانی اور سمجھدار مانا گیا ہے اور وہ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ روح اپنے عادات وخواص میں آزاد بھی ہے۔ ایسی حالت میں ممکن ہے کہ بعض روحیں خود شجر وحجر کے اجسام اختیار کر لیں اور بعض ایسے اجسام میں منتقل ہوجائیں جہاں وہ زیادہ راحت وآرام سے رہ سکیں۔

جب روح کو سمجھدار مانا جاتا ہے تو یہ بھی لازم ہے کہ وہ جس قالب میں بھی ہو اسے اپنے گزشتہ جنم کے حالات وواقعات یاد رہیں لیکن شجر وحجر اور چرند وپرند کا تو کیا ذکر خود تناسخ ماننے والا کوئی انسان یہ نہیں بتاسکتا کہ اس نے پچھلے جنم میں کیا کیا اعمال نیک اور کون کون سے افعال بد کئے تھے۔ سمجھدار آزاد روح کے وہ خواص وعادات جو انسانی پیکر میں جلوہ فرما نظر آتے ہیں شجر وحجر کے لباس میں پہنچ کر کیوں غائب ہوجاتے ہیں اور اگر ان میں وہی روح انسانی موجود رہتی ہے تو اس کے اوپر کوئی عقلی دلیل پیش کرنے سے آریہ دھرم اب تک کیوں قاصر رہا ہے۔

جب جمادات ونباتات اور حیوانات میں روحیں کسی سزا وجزا کی بنیاد پر مقید کی گئی ہیں تو عقلاً نئے قالب میں پہنچنے کے بعد انہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہئے تھا کہ کس جرم میں وہ یہ سزا برداشت کر رہے ہیں یا کس نیک عمل کے باعث وہ عیش وآرام میں ہیں جو مجرم قید خانہ میں بند کیا جاتا ہے اسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس جرم کی پاداش میں سزائے قید وبند میں مبتلا کیا گیا۔ مجرم کو اس کے جرم سے باخبر کرنے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہوتی ہے تاکہ وہ آئندہ اس جرم کے ارتکاب سے باز رہے، اور یہ جان سکے کہ اگر فلاں جرم کا میں دوبارہ مرتکب ہوا تو پھر اسی عذاب میں مبتلا کر دیا جاؤں گا لیکن تناسخ کے ماننے والوں کو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ وہ کس گناہ کی بنیاد پر یہ سزا بھگت رہے ہیں اور انہیں کس گناہ سے پرہیز کرنا چاہئے تاکہ وہ پھر اسی عقوبت میں گرفتار نہ ہوسکیں۔ اسی طرح کسی راحت کے بارے میں بھی یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ کس نیک عمل کے عوض میں یہ راحت ملی ہے تاکہ آئندہ بھی نیکی کی تشویق پیدا ہوسکے۔

شجر وحجر میں اگر روح فرض بھی کر لی جائے تو بھی اتنا ضرور کہا جائے گا کہ ان کی روحیں خوابیدہ اور بے ہوشی کے عالم میں ہیں۔ جس طرح کلوفارم سنگھا کر کسی انسان پر حالت بے ہوشی میں آسانی سے عمل جراحی کر دیا جاتا ہے، اور وہ اس سے کوئی تکلیف محسوس نہیں کرتا، اسی طرح ان روحوں کو بھی جنہیں نباتات اور خصوصاً جمادات کے اندر مقید فرض کیا جاتا ہے کسی قسم کی تکلیف واذیت کا احساس نہیں ہوتا اور وہ یہ نہیں سمجھتی کہ ہم کس گناہ کے بدلے میں یہ سزا بھگت رہے ہیں۔ یہ سزا ایسی ہے جیسے کوئی حاکم کسی مجرم کے متعلق یہ حکم دے کہ اسے کسی خواب آور دوا سے بے ہوش کر کے پچیس تازیانے لگائے جائیں۔ اگر کوئی روح پتھر سے نکل کر انسانی جامہ میں آجائے تو اسے بھی یہ نہیں معلوم ہوسکتا کہ وہ پہلے حجری قالب میں تھی اور کس گناہ میں پتھر کے جسم میں بند کر دی گئی تھی؟ اب اگر یہ روح انسانی قالب میں

(بقیہ صفحہ ۱۵ / پر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔)

کرتے ہیں ۔ یہ کہ اس قوت کے آنکھ نہیں جو دیکھے، کان نہیں جو فریاد سنے، دل نہیں جو پسیجے یا ترس کھائے ۔ اس کا دوسرا مطلب یہی ہے کہ وہ بے شعور اور بے ادراک ہے ۔ یہ بھی مادہ کی صفت ہے پھر خواہ مخواہ اسے ''خدا'' کے نام سے یاد کر کے اہل مذہب کو دھوکا دینے کی کیا ضرورت ہے ۔ حالانکہ اس کے پہلے ''آئینہ حقیقت'' میں صاف عالم و دانا ہونے کی صفت خدا کے لئے ثابت کی گئی ہے۔

ممکن ہے کہ یہ اب ترقی کا دوسرا قدم ہو کہ اس کی دانائی کا انکار ہو رہا ہے۔

آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

اس قوت کے معنی جبکہ وہی ہیں جسے مادی لوگ مادہ کے لئے ثابت کرتے ہیں تو اسے ''شخصی فرمانروا کی طرح خودرو، خود سر اور لا پرواہ اور اس کے فطری احکام'' کہنا شاعری ہے اور سب مجازی الفاظ ہیں، ورنہ حقیقت میں وہاں کی ایک مشین کی سی طاقت کے اثرات ہیں ۔ فرمانروائی ، خودسری ، خودروی اور لاپرواہی اور فطری احکام کے الفاظ سب شعور و ارادہ کا پتہ دیتے ہیں اور اس قوت میں کہ جو ہر ہر ذرہ میں موجود ہے شعور کا جوہر مفقود ہے اور اگر سچ مچ شخصی فرمانروا کی طرح اس کے احکام میں خودروی اور خودسری اور لاپرواہی کے ساتھ سہی فرمانروائی کا جوہر ہے تو پھر اسے شعور و ادراک سے عاری ماننا درست نہیں ۔ وہ شخصی فرمانروا کی طرح خودرو، خودسر اور لاپرواہ ان معنی سے ہے کہ وہ کسی کا محکوم اور کسی کے منشاء کا پابند نہیں ۔ جو کچھ کرتا ہے اپنی ذاتی علم و دانائی اور حکمت و ادراک سے ۔ اور اسی لئے اسے خودرو، خود سر اور لاپرواہ ہونا چاہئے کیونکہ دوسرا نہ طاقت میں اس سے بالا، نہ علم و حکمت میں اس سے اونچا ہے ۔ پھر وہ کسی دوسرے سے دبے تو کیوں اور پرواہ کرے تو کس لئے؟

بے شک رونے پیٹنے ، چیخنے ، چلانے سے حالات میں تبدیلی ہوتی ہے جبکہ نظام عالم کی حکمت میں اس چیخنے اور چلانے کا کوئی دخل ہو، تب پھر خود فطری احکام کا نتیجہ اس کے مطابق فیصلہ کا متقاضی ہے۔

پھر بھی آخری فیصلہ قضا کی طرح اٹل ہے ۔ خدا اسی عالم و دانا فرمانروا کا نام ہے ۔ اس کے سوا جو ہو وہ خدا نہیں ہے ۔ کچھ اور ہوسکتا ہے۔

(ماخوذ از ماہنامہ الواعظ لکھنؤ اگست ۱۹۴۳ء)

❁❁❁

(بقیہ صفحہ ۲۶ کا۔۔۔۔۔(تناسخ پر مختصر بحث)

آ کر اس گناہ سے بچنا چاہے جس کی پاداش میں وہ پتھر کے اندر مقید کر دی گئی تھی تو نہیں بچ سکتی اس لئے کہ اسے ذاتی طور پر اس کا کوئی علم و یقین نہیں کہ کس گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے اس نے حجری پیکر اختیار کیا تھا۔

بہر حال اس سزا و جزا کا کیا فائدہ جس کے متعلق یہ نہ معلوم ہو کہ کس جرم کی بناء پر سزا مل رہی ہے اور کس نیکی کی بناء پر یہ راحت میسر ہوئی ہے ۔ اس طرح تو معاد کا اصل منشاء ہی فوت ہوا جاتا ہے اور تعزیر و انعام کی غرض و غایت باقی نہیں رہتی ۔

ہندوؤں کی مذہبی کتب میں بعض گناہوں کی سزائیں تحریر کی گئی ہیں اور یہ بتایا گیا ہے کہ کون کون سے گناہوں کی پاداش میں روح کون کون سے قالب میں منتقل ہوئی ہے ۔ مثلاً سادھو کے قتل کی سزا یہ ہے کہ قاتل کو مرنے کے بعد گائے کا جنم دیا جائے، غلہ کے چور کو چوہا بنا دیا جائے اور پانی کا چور مینڈک کا جسم اختیار کر لے وغیرہ وغیرہ۔

لیکن یہ سب باتیں عقیدے کے طور پر بتائی گئیں ہیں، ان پر کوئی عقلی دلیل قائم نہیں ہوتی اور نہ ان سے وہ اعتراضات رفع ہوتے ہیں جو عقیدہ تناسخ پر عقلی حیثیت سے وارد ہوتے ہیں اور جن کو میں مندرجہ بالا سطور میں مختصراً واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔

(سلسلۂ اشاعت امامیہ مشن، لکھنؤ نمبر ۷۷ رصفر ۱۳۶۰ھ)

❁❁❁